

بین الاقوامی معاہدوں کی تدوین ہماری استطاعت سے باہر ہے!

ریکوڈک بلوجتان کے ضلع چاغی میں واقع ہے۔ اس میں سونے کے وسیع ذخائر موجود ہیں۔ دنیا میں پانچویں نمبر پر آنے والی سونے کی کان بھیں پر موجود ہے۔ 1993 میں ایک امریکی کمپنی B.H.P. کو قیمتی دھات نکالنے کی اجازت دی گئی۔ 2006 میں اس کمپنی نے تمام حصہ ایک آسٹریلین کمپنی TCC کو دے دیے۔ معاہدے میں اب حکومت بلوجتان اور TCC فریق تھے۔ صوبائی حکومتی سطح پر کسی نے بھی اس بین الاقوامی سطح کے معاہدے پر غور کرنا مناسب نہ جانا۔ کچھ عرصہ بعد کمپنی اور حکومت کے درمیان روایتی رسہ کشی شروع ہوئی۔ ہوتا ہوا تا معاملہ پاکستان کی عدالت عظمی میں آگیا۔ فیصلہ ہوا کہ اس معاہدہ کو کنسل کر دیا جائے۔ 2012 کی بات ہے۔ ہر طرف دادو ٹھیسین کا شورج گیا کہ دیکھو ہم نے ملک کا کتنا قصان بچالیا۔ ہر جانب ایمانداری کا ڈنکا بجنا شروع ہو گیا۔ کسی بھی بزر جمہر نے حکومت اور عدالت کی خدمت میں یہ گزارش نہیں کی کہ بین الاقوامی معاہدے میں درج ہے کہ فریقین کے درمیان تنازعہ کی صورت میں ورلڈ بینک کا ٹرائبینول فیصلہ دیگا۔ بین الاقوامی قوانین اور معاہدے کے تحت ICSID ایعنی ورلڈ بینک کے ٹرائبینول نے اس کیس کو بغور سنایا۔ معاہدے میں موجود شقوق کے مطابق اس تنازعہ پر ہمارے ملک کو 5.9 بلین ڈالر کا جرمانہ کیا گیا۔ جولائی 2019 کی بات ہے۔ رقم، ملک کیلئے بین الاقوامی اداروں کی طرف سے دی جانے والی امداد کے برابر تھی۔ یہ وہی عرصہ ہے جس میں پاکستان کی ”حد درجہ قابل اور جینس اقتصادی ٹیم“، امداد حاصل کرنے کیلئے ورلڈ بینک کے سامنے ایڑیاں رکٹر رہی تھی۔ پورے ملک میں افسوس کی فضائی۔ دنیا کے سٹیچ پر ہمارے بے عزتی اور دشمن ممالک کے اندر شادیاں، دونوں تکلیف دہ معاملات تھے۔ خیر 2020 میں ہمیں بین الاقوامی ٹرائبینول سے عارضی حکم اتنا ہی مل گیا۔ بلا تھوڑی دیر کیلئے موقوف ہو گئی۔ حالات قطعاً ہماری لیے خوشنگوار نہیں ہیں۔ اگر یہ سڑھتے ہو جاتا ہے تو پاکستان کے وسائل کے ساتھ کیا سلوک کیا جاسکتا ہے، اسکا قیافہ بھی ہولناک ہے۔ زرمبادلہ کے قلیل ذخائر اور ریاست کی غیر ملکی جائیدادیں بھی اس جرمانے سے مصیبت میں آجائیں گی۔ دعا ہے کہ معاملہ ہمارے لیے تکلیف دہ نہ ہو۔ مگر دنیا عمل کی آماجگاہ ہے۔ اس میں تمام مسائل صرف اور صرف دعا سے حل نہیں ہوتے۔

مقصد ریکوڈک کیس پر گزارش کرنا نہیں ہے۔ نکتہ بالکل دوسرا ہے بلکہ اس مقدمہ سے متضاد ہے۔ سوال ہے کہ کیا ہمارے پاس بین الاقوامی سطح کے معاہدے ترتیب دینے، لکھنے، سمجھنے کی فتنی استطاعت ہے۔ بھیں سے دوسرا جزو شروع ہوتا ہے۔ کیا ہمارے عدالتی نظام میں اتنی قانونی سکت ہے کہ بین الاقوامی سطح کے پیچیدہ ترین معاہدوں پر غیر جانبدارانہ فیصلے کر سکے؟ طالب علم کا جواب نہیں میں ہے۔ ہمارے پورے قانونی اور حکومتی نظام میں اتنی فہم نظر نہیں آتی، جو اس طرح کے مشکل معاملات کو حل کر پائے۔ نتیجہ صرف جگہ نہ سائی اور ہریت ہے۔ اس سنجیدہ موضوع پر الیکٹرونک میڈیا پر کوئی پروگرام نہیں دیکھا۔ سال میں ایک آٹھی بار کوئی غیر ملکی کالم نویس اس پر ہر زہ سرائی کرتا بھی ہے تو توجہ دینے کیلئے کوئی بھی تیار نہیں ہے۔ مگر مسئلہ یہ ہے کہ دنیا میں اسی فیصلہ کے قریب سنجیدہ لکھاری فرنگی زبان میں لکھتے ہیں۔ جس سے ہمارا کوئی سروکار نہیں۔ کیونکہ ہم تو اخلاقیاً عملی طور پر ”کافروں کی کوئی چیز“ استعمال نہیں کرتے۔ عرض کرنی ہے کہ بین

الاقوامی معائدے کی قدرت کم ازکم ہمارے اندر تو ہرگز نہیں ہے۔ ہاں ایک اور بات۔ ہمارے اداروں کیلئے ہر اہم چیز انتہائی درجہ کاراز ہے۔ ٹاپ سیکرٹ۔ سی پیک کی مثال سامنے رکھیے۔ سارا دن اور رات تک سی پیک کے حق میں ڈھول بجائے جاتے ہیں۔ سیاسی قائدین تعریف کرتے ہوئے نہیں تھکتے۔ ملک کو فائدہ ہی فائدہ کی گردان سنائی دیتی ہے۔ مگر جب ٹھوس معائدے کو جانے کی کوشش کرتے ہیں تو جواب آتا ہے کہ یہ سیکرٹ ہے۔ یعنی پورے ملک کی زمین چین اپنی راہداری کے طور پر استعمال کریگا۔ جب معصومانہ ساسوال پوچھا جاتا ہے کہ جناب ذرا بتا دیجئے کہ اس معائدے کے تحت جب ایک ٹرک ہماری سر زمین سے ہوتا ہوا وسرے ملک میں جائیگا۔ تو ہمیں کتنے ڈالر ملین گے۔ اسکا جواب نہیں ملتا۔ ہم میں کسی بھی سطح پر اتنا قومی اعتماد نہیں ہے کہ سی پیک کے معائدے میں ملکی فائدے کی شقوق کو سر عام پیش کر دیں۔ یہ عجیب سی بات ہے۔

بار بار عرض کروں گا کہ پیچیدہ معاملات پر ہماری فنی صلاحیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس نالائقی سے بین الاقوامی ماہرین اور کمپنیاں خوفناک فائدہ اٹھاتی ہیں۔ ہماری ہر کمزوری انکے لیے بے پناہ مالی منفعت کی بنیاد پر ہے۔ غور کیجئے۔ انکا طریقہ واردات کیا ہے۔ دو چار گورے سرکاری دفتر میں میٹنگ کیلئے آتے ہیں۔ گوری چڑی سے ویسے ہی با بود درجہ متاثر ہوتے ہیں اور اگر کوئی گوری خاتون میٹنگ کیلئے آجائے تو پورا دفتر ہی ڈھیر ہو جاتا ہے۔ لا تعداد میٹنگز اور کانفرنسوں میں دیکھا ہے کہ ہمارے سرکاری اور غیر سرکاری عوامی گروں کے حد درجہ نیچے لگے ہوئے ہیں۔ انکی کہی ہوئی ہر بات پر اثبات میں گردان ہلاتے رہتے ہیں۔ بہت کم ہوتا ہے کہ ان غیر ملکی وفود کے سامنے کوئی انکار کی بات کی جائے۔ وجہ کیا ہے۔ صرف اور صرف اپنے کام پر عبور نہ ہونا۔ باہر سے آنے والے وفود اس کو تاہم کو بخوبی سمجھتے ہیں اور اس سے بھر پور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ایک افسوسناک سرکاری رو یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے۔ اگر وفد میں کوئی گوری خاتون آجائے تو میٹنگ ہال کی اکثریت دیدے چھاڑ چھاڑ کر اسے گھورتے رہتے ہیں۔ اسکی شکل و صورت پر جملے گے جاتے ہیں۔ کئی کمپنیاں ہماری ڈھنی روشن بھانپ کرائیں وہ میں خواتین کو ضرور شامل کرتی ہیں۔ اس عقل مندانہ فیصلے سے انکے کام جلدی ہونے شروع ہو جاتے ہیں۔ کئی پاک باز باؤں کو گوری چڑی پر پھسلتے ہوئے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ غسلک ایک اور مسئلہ بھی ہے۔ وہ ہے مختلف ممالک کے مفت دورے۔ یہ اتنا تیز ہدف نہیں ہے کہ جس سے اکثر کمپنیوں کے رکے ہوئے کام جھٹ سے ہو جاتے ہیں۔ آپ کسی بھی سطح کی میٹنگ میں بیٹھے ہوں۔ جیسے ہی سربراہ یا اعلان کرتا ہے کہ اس معاملے کو عملاً سمجھنے کیلئے یورپ یا امریکہ جانا ہوگا، تو اکثر کی آنکھوں میں چمک آ جاتی ہے۔ پہلے سینئر افسران غیر ملکی دوروں سے مستفید ہوتے ہیں اور پھر جو نیئر افسران۔ کمپنیاں یہ دن ملک ان لوگوں کی کافی آؤ بھگت کرتی ہیں۔ جسے انٹرینیٹ کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ان معاملات کیلئے بڑی بڑی کمپنیاں معقول بجٹ رکھتی ہیں۔ اس طرح قیمتی تھائے ہیں۔ جن سے بندروں کے کھل جاتے ہیں۔ کئی افسران کو جانتا ہوں جو ان کمپنیوں سے اپنے خاندان کے مفت ٹکٹ اور ہوٹل کی درخواست کرتے ہیں۔ خیران تمام خوشنگوار اقدامات سے ذاتی معاملات بہتر ہوتے جاتے ہیں۔

ساتھ ساتھ پھر لین دین کا معاملہ شروع ہوتا ہے۔ ہمارے اکثر سیاستدان، بابو اور ریاستی اداروں کے لوگ بلا تکلف اس میں شامل ہوتے ہیں۔ حد درجہ ڈھنائی سے ڈالر مانگے جاتے ہیں۔ کمپنیوں نے اسکے لیے بھی پورا اہتمام کیا ہوتا ہے۔ انہیں ہماری دونبڑہ نہیں

کا بخوبی اندازہ ہے۔ چنانچہ غیر ملکی کمپنیاں بذاتِ خود، ہمارے عائدین کے نام پر دیا رہے گی میں بینک اکاؤنٹ کھلواتی ہیں۔ طے ہونے والی رقم خاموشی سے اکاؤنٹ میں جمع کروادی جاتی ہے۔ ہاں ملک میں شفافیت، کرپشن کے نہ ہونے اور صاف ستری حکومت کے بے دریغ اعلانات کیے جاتے ہیں۔ خود فیصلہ فرمائیے کہ جب فنی استطاعت بھی نہ ہو اور یہ سارے معاملات بھی دسترس میں ہوں تو پھر ملک کی خدمت اور عوامی فلاج و بہبود کا کیا جواز رہ جاتا ہے۔ ہاں نظرے کی حد تک ٹھیک ہے اور ویسے بھی ہم صرف اور صرف نظرے ہی لگ سکتے ہیں۔ اسکے آگے کچھ بھی نہیں۔ اندازہ لگائیے کہ چند سال پہلے بڑی بڑی چینی کمپنیاں اخباری بیان دینے پر مجبور ہو گئیں۔ کہ تمام معائدے اور انکے مطابق رشوت تو ان سے پہلے ہی دوہی میں وزیر خزانہ کا خاندان وصول کر لیتا ہے۔ اسلام آباد میں اعلیٰ سطح کی میٹنگ تو صرف اور صرف انگھوٹا لگانے کیلئے استعمال کی جاتی ہے۔ اس بیان کی تردید آج تک نہیں آئی۔ آبھی نہیں سکتی۔ غیر ملکی کمپنیاں بڑے آرام سے ہمارے وسائل کو اپنی طرف لے جاتی ہیں۔ کئی بار تو یہ بھی ہوا ہے کہ ہمارے وزیر اعظم ان سے پیسے وصول کرتے ہیں۔ ہاں ایک دلچسپ بات۔ یہ تمام معاملات ہر گز ہرگز خفیہ نہیں رہتے۔ کچھ عرصے کے بعد کسی نہ کسی طور سب کے سامنے آ جاتے ہیں۔ مگر اس اثنامیں ناجائز پیسے کی ہاتھ بدل چکا ہوتا ہے۔ لہذا کوئی قانونی کارروائی کرنا بھی چاہے تو ممکن نہیں رہتا۔ اسی تناظر میں براڈوے کمپنی کے مالک کے ہمارے بڑے لوگوں کے متعلق منفی بیانات ہمارے لیے قابل فخر نہیں ہیں۔ لگنا تنازع یادہ ہے کہ تقریباً ہر اہم آدمی غلاظت میں لقتضا ہوا ہے۔ غور فرمائیے۔ میں الاقوامی معائدوں کی تدوین کرنے کی استطاعت نہ ہو، منظور کرنے والوں نے حرص اور ذلتی فائدے کی پیاس آنکھوں پر باندھ رکھی ہوں، تو پھر ملکی مفاد کہاں جائیگا۔ اس پورے نازک معاملے کی جزئیات پر کوئی نہیں بولتا۔ کوئی نہیں لکھتا۔ بہر حال یہ بات تو طے ہے کہ ہم لوگ میں الاقوامی معائدوں کو ترتیب دینے اور سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے!

راو منظر حیات